



سوال

(56) التحقیقات العلیٰ باہیات فرضیۃ الجمعیۃ فی القرئی

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) فرضیت صلوٰۃ جمعہ کی قصبات ودیہات میں احادیث سے ثابت ہے یا نہیں۔ (اس بارے میں ایک روایت حضرت تیمم داری رضی اللہ عنہ سے سنن بیہقی (۳: ۱۸۳) اور دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنن دارقطنی (ص: ۱۶۳) اور سنن بیہقی (۳: ۱۸۳) میں آئی ہے)۔ [ع، ح] ۲) اور شرائط و قیودات واسطے صلوٰۃ جمعہ جو کتب حنفیہ میں لکھی ہوئی ہیں، وہ احادیث صحیحہ سے مستنبط ہیں یا نہیں؟ ۳) اور جو بعض لوگ ظہر احتیاطی بعد اداء صلوٰۃ جمعہ کے پڑھتے ہیں، اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
الحمد للہ، والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

إن النحْمَ إِلَّا لِلَّهِ (یوسف: ۲۰) ”فرما زوای صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔“

جواب سوال اول یہ ہے کہ صلوٰۃ جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت اس کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمٍ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ... (البقرہ: ۹)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جس وقت کہ پرکارا جاوے واسطے نماز کے دن جمعہ کے پس جلدی کرو طرف یاد خدا کے اور چھوڑ دو سودا کرنا۔“

اور سنن ابی داؤد (ص ۳۱۲ ج ۱) میں ہے:

”عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: ((الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ: عبد مملوک أو امرأۃ أو صبی أو مریض)) رواہ ابوداؤد۔“

قال: طارق بن شهاب قد راى النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئا۔“ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۶۷)

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ فرض عین ہے ہر مسلمان پر جماعت سے، مگر چار آدمیوں پر۔ ایک غلام پر، دوسرے عورت پر، تیسرے لڑکے پر، چوتھے بیمار پر۔“

اور ایسا ہی مسافر پر بھی فرض نہیں۔ جیسا کہ ترمذی اور احمد نے مقسم عن ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۵۲۷، مسند احمد ۱: ۲۲۳) نیز دیکھیں:

نصب الراية ۲: ۱۳۶)



کہا ابوداؤد رحمہ اللہ نے: طارق بن شہاب نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، مگر آپ سے کچھ سنا نہیں۔ تو یہ حدیث مرسل صحابی ہوئی اور حاکم نے اس کو مسنداً روایت کیا ہے طارق بن شہاب سے، انھوں نے ابو موسیٰ اشعری سے۔ (المستدرک ۱ ۲۲۵ معرفۃ السنن والآثار ۳۲۹)

قال العبد الضعیف أبو الطیب عفی عنہ :

”قال الخطابی فی معالم السنن : لیس إسناد هذا الحدیث بذاك، وطارق ابن شهاب لا یصح له سماع من النبی ﷺ إلا أنه قد لقی النبی ﷺ۔“ (معالم السنن ۱ ۲۱۳)

”قال العراقي : فإذا ثبتت صحبته فاحدیث صحیح، وغایته أن یكون مرسل صحابی، وهو حجة عند الجمهور، وإنما خالف فیہ أبو إسحاق الإسفرائینی، بل ادعی بعض الحنفیة الإجماع علی أن مرسل الصحابة حجة۔“ (نبیل الأو طار ۳ ۲۴۸)

قال الحافظ فی الإصابۃ فی تمیز الصحابة (۳ ۲۸۱) : ”إذا ثبت أنه لقی النبی ﷺ فهو صحابی علی الرأج، وإذا ثبت أنه لم یسمع منه فروایتہ عنہ مرسل صحابی، وهو مقبول علی الرأج، وقد أخرج له النساء عدة أحادیث، وذلك مصیر منه إلی اثبات صحبته، وأخرج له أبو داؤد حدیثاً واحداً، وقال : طارق رأى النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئاً، وقال أبو داؤد الطیالسی : حدیثاً شعبیة عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب قال : رأیت النبی ﷺ وغزوت فی خلافة أبي بكر، وهذا إسناد صحیح، وأخرج البغوی من طریق شعبیة عن قیس بن مسلم عن طارق قال : رأیت النبی ﷺ الحدیث۔“ (انتھی (مختصاً)

”بندۃ ضعیف أبو الطیب عفی عنہ نے کہا: الخطابی نے ”معالم السنن“ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند اس طرح سے (مضبوط) نہیں ہے اور طارق بن شہاب کا نبی ﷺ سے سماع درست نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ نبی ﷺ سے ملے تھے۔ ختم شد۔ العراقی نے کہا ہے کہ اگر ان کی صحبت آپ ﷺ سے ثابت ہے تو حدیث صحیح ہے اور یہ ایک صحابی کی مرسل روایت ہے اور وہ (مرسل صحابی) جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ اس کی مخالفت صرف ابو اسحاق الاسفرائینی نے کی ہے، بلکہ بعض احناف نے لہماح کا دعویٰ کیا ہے کہ مرسل صحابہ حجت ہے۔ ختم شد۔“

حافظ نے ”الإصابۃ فی تمیز الصحابة“ (ص: ۲۸۱) میں کہا ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی ہے تو راجح یہی ہے کہ وہ صحابی ہیں اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے سماعت نہیں کی تو ان کی روایت مرسل صحابی ہے اور راجح یہی ہے کہ وہ روایت قبول کی جائے۔ نسائی نے ان کی متعدد احادیث کی تخریج کی ہے، جس سے امام نسائی کا رجحان ان کے اثبات صحبیت کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی ایک حدیث کی تخریج ابوداؤد نے بھی کی ہے اور کہا ہے کہ طارق نے کہا کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، لیکن کچھ سنا نہیں۔ ابوداؤد الطیالسی نے کہا ہے کہ ہمیں شعبیہ نے قیس بن مسلم کے واسطے سے بیان کیا، انھوں نے طارق بن شہاب کے واسطے سے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غزوہ بھی کیا ہے۔ یہ صحیح سند ہے۔ بغوی نے شعبیہ کے طریق سے قیس بن مسلم کے واسطے سے تخریج کی ہے اور انھوں نے طارق کے واسطے سے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔ الحدیث۔ ختم شد۔“

قال العلامة الزبیلی فی تخریج أحادیث الصداۃ (۲ ۱۹۹)

”قال النووي رحمہ اللہ فی الخلاصۃ : قال أبو داؤد : طارق رأى النبی ﷺ ولم یسمع منه، وهذا غیر قاصر فی صحبته، فإنه یكون مرسل صحابی، وهو حجة، والحدیث علی شرط الصحیحین، ورواہ الحاکم فی المستدرک (۱ ۲۸۸) عن حریم بن سفیان بہ عن طارق بن شهاب عن أبي موسى رضی اللہ عنہ مرصفاً، وقال : هذا حدیث صحیح علی شرط الصحیحین، ولم یخزجہ، وقد اجتہد بحریم بن سفیان، ورواہ ابن عیینہ عن إبراهيم بن محمد فلم یذکر فیہ أباموسی، وطارق بن شهاب یعد فی الصحابة انتھی۔ قال البیہقی رحمہ اللہ فی سننہ (۳ ۱۸۳) : هذا الحدیث وإن کان فیہ إرسال فهو مرسل جید، وطارق من كبار التابعین، ومن رأى النبی ﷺ وإن لم یسمع عنہ، ولحدیثہ شواہد۔ انتھی

”وأخرج البیہقی من طریق الإمام محمد بن إسماعیل البخاری من روایت تیم الداری عن النبی ﷺ : ((الجمعة واجبة إلا علی صبی أو مملوک أو مسافر)) ورواہ الطبرانی فی معجمہ، وزاد فیہ : ((المرأة والمریض)) وأخرج البیہقی (۳ ۱۸۳) عن ابن عمر قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : ((الجمعة واجبة إلا علی مملکت أو علی ذی علة)) انتھی کلام الزبیلی (نصب



الراية ۲ ۱۳۶)

وقال الحافظ في فتح الباري شرح صحيح البخاري :

”عند أبي داود من طريق طارق بن شهاب عن النبي ﷺ ورجاله ثقات، لكن قال أبو داود: لم يسمع طارق من النبي ﷺ إلا أنه رآه، وقد أخرج الحاكم في المستدرک من طريق طارق عن أبي موسى الأشعري۔“ انتهى (فتح الباري ۲ ۳۵۷)

قال الشوكاني في النيل :

”وقد اندفع الإلعال بالإرسال بمافي رواية الحاكم من ذكر أبي موسى۔“ انتهى (نيل الأوطار ۳ ۲۷۸)

”علامه زيلعي نے ”تخریج أحادیث الهدایة“ (ص ۱۹۹، ج ۲) میں کہا ہے کہ نووی نے ”الخلاصة“ میں کہا ہے کہ ابوداؤد نے کہا ہے کہ طارق نے نبی ﷺ کو دیکھا اور ان سے کچھ سماعت نہیں کیا۔ یہ ان کی صحبت میں غیر قادیح ہے اور یہ مرسل صحابی ہے جو قابل حجت ہے اور حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔ حاکم نے ”المستدرک“ (ص ۲۸۸، ج ۱) میں بریم بن سفیان کے واسطے سے روایت کی ہے، انھوں نے طارق بن شہاب کے واسطے سے اور انھوں نے ابو موسیٰ کے واسطے سے مرفوعاً اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، لیکن ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، البتہ دونوں نے بریم بن سفیان کو قابل صحت مانا ہے اور ابن عینیہ نے اس کی روایت ابراہیم بن محمد کے واسطے سے کی ہے، لیکن اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ابو موسیٰ اور طارق صحاب میں شامل کیے جاتے تھے۔ ختم شد۔

”بیہقی نے اپنی سنن (ص ۱۸۳ ج ۳) میں کہا ہے کہ اس حدیث میں گرچہ ارسال ہے، لیکن یہ مرسل جید ہے اور طارق کبار تابعین اور ان لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا، اگرچہ انھوں نے آپ ﷺ سے سماعت نہیں کی اور ان کی حدیث کے متعدد شواہد ہیں۔ ختم شد۔

امام بیہقی نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کے طریق سے تمیم داری کی روایت کی تخریج نبی ﷺ کے واسطے سے کی ہے کہ جمعہ سب پر واجب ہے سوائے بچے، غلام اور مسافر کے۔ اس کی روایت طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اس میں ایک زیادتی اور بھی ہے کہ عورت اور مریض پر بھی جمعہ نہیں ہے۔ بیہقی نے (ص ۸۳ ج ۲) اس کی تخریج ابن عمر کے واسطے سے کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو کھتے ہوئے سنا کہ جمعہ ہر شخص کے لیے واجب ہے سوائے غلام اور مریض کے۔ زیلعی کا کلام ختم ہوا۔

حافظ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ ابوداؤد کے نزدیک طارق بن شہاب کے طریق سے بواسطہ نبی ﷺ۔ اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن ابوداؤد نے کہا کہ طارق نے نبی ﷺ سے سماعت نہیں کی، البتہ ان کو دیکھا ضرور ہے۔ اس کی تخریج حاکم نے ”المستدرک“ میں کی ہے طارق کے طریق سے ابو موسیٰ اشعری کے واسطے سے۔ ختم شد۔ شوكاني نے ”النیل“ میں کہا ہے کہ حاکم کی روایت کی بنا پر ابو موسیٰ کے ذکر سے ارسال کی علت ختم ہو گئی۔ ختم شد۔“

پس ان سب عبارتوں سے صاف ظاہر ہوا کہ حدیث طارق بن شہاب کی صحیح اسناد ہے۔ اب کوئی محل گفتمہ باقی نہ رہا۔ اور صحیح نسائی میں ہے :

”عن حفصه أن النبي ﷺ قال : ((رواح الجمعة واجب على كل محتلم)) رواه النسائي، ورجال إسناده رجال الصحيح إلا عياش بن عياش، وقد وثقه العجلي۔“

صحیح نسائی میں باسناد صحیح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرمایا رسول ﷺ نے جمعہ کی نماز کے لیے جانا فرض ہے ہر مرد جو ان پر۔

”ويؤيده أيضا ما أخرجه الدرر قطنی (ص : ۱۶۳) والبيهقي (۳ ۱۸۳) من حديث جابر : ((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليد الجمعة إلا امرأة أو مسافر أو عبد أو مريض)) وفي إسناده ابن لصيعة ومعاذ بن محمد الأنصاري، وهما ضعيفان لكن يكفي للاستشاد۔“

”اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جس کی تخریج دارقطنی نے صفحہ (۱۶۳) میں کی ہے اور بیہقی نے (۲ ۱۸۳) میں کی ہے جابر کی حدیث کہ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، اس پر



جمعہ فرض ہے، سوائے عورت، مسافر، غلام اور مریض کے۔ اس سند میں ابن لہیعہ اور معاذ بن محمد انصاری ضعیف ہیں، لیکن استہاد کے لیے کافی ہیں۔“

پس آیت کریمہ اور ان احادیث مرقومہ بالا سے صاف معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی فرض عین ہے ہر مرد مسلمان صحیح حرباً بالغ مقیم پر خواہ شہر میں ہو خواہ دیہات میں اور اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہرگز یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ شہروں میں نماز جمعہ ادا کرو اور گاؤں میں نہ پڑھو۔ بلکہ جمعہ کی فرضیت آیت اور حدیث سے مطلق ثابت ہے۔ اس میں شہر کی قید نہیں ہے۔ پھر شہر کی قید بڑھانا زیادتی ہے کتاب اللہ تعالیٰ پر اور نزدیک حنفیوں کے وہ جائز نہیں ہے، مگر حدیث مشہور سے، جیسا کہ بیان مفصل اس کا آگے آتا ہے۔ پس جب فرضیت اس کی علی العموم ثابت ہوئی، شہر اور دیہات ہر جگہوں میں، پھر جو شخص باوجود ثبوت فرضیت کے دیہات میں جمعہ ادا نہ کرے، اس کی شان میں یہ وعید شدید وارد ہوئی ہے:

”عن ابی الجعد الضمیری، وکان لہ صحبۃ، أن رسول اللہ ﷺ قال: ((من ترک ثلاث جمع تھاوناً بھا طبع اللہ علی قلبہ)) رواہ أبو داود والترمذی والنسائی ((سنن ابی داود، رقم الحدیث ۱۰۵۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۵۰۰، سنن النسائی ۱۳۶۹))

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص تین جمعے چھوڑ دے گا سستی سے، مہر کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر۔“

”وعن ابی ہریرۃ ابن عمر أنهما سمعا النبی ﷺ یقول علی أعمود منبرہ: ((لینتھن اقوام عن ودعھم الجمعات أو لیثمن اللہ علی قلوبھم، ثم لیخونن میں الغافلین)) رواہ مسلم، ورواہ أحمد والنسائی من حدیث ابن عمر وابن عباس۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۴۰)، (مسند أحمد ۱، ۲۳۹، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۱۳۴۰)

”رسول اللہ ﷺ منبر پر فرماتے تھے کہ باز آئیں لوگ نماز جمعہ کے چھوڑ دینے سے یا مہر کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر، پھر ہو جائیں گے وہ غافلوں سے۔“

”وعن ابن مسعود أن رسول اللہ ﷺ قال لتقوم متخلفون عن الجمعة: ((لقد هممت أن آمر رجلاً یصلی بالناس ثم أحرق علی رجال متخلفون عن الجمعة یوتھم)) رواہ أحمد و مسلم ((صحیح مسلم، رقم الحدیث ۶۵۲، مسند أحمد ۶، ۳۸۱))

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی شان میں جو کہ نماز جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے ہیں، البتہ ارادہ کیا میں نے اس بات کا کہ حکم کروں ایک شخص کو کہ پڑھائے لوگوں کو نماز، پھر حلا دوں گھر ان لوگوں کے جو کہ جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے۔“

”وعن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قال رسول اللہ ﷺ: ((من سمع النداء ولم یأتھا ثلاثاً، طبع علی قلبہ، فجعل قلبه منافق)) رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ قال العراقي: إسناده جيد۔“ (نیز حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رواہ الطبرانی فی کبیر معجمہ من حدیث ابن اسحاق عن شعبۃ عن محمد بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة عن ابن ابی اوفی بہ، وھذا إسناده صحیح۔“ (البدیع المنیر: ۳، ۵۸۸) نیز دیکھیں: إتحاف المہرۃ لابن حجر ۸، ۲۴۲)

یعنی جس نے جمعہ کی نماز تین مرتبہ نامہ کی، مہر کر دی جائے گی اس کے دل پر۔ پس دل اس کا مثل دل منافق کے ہو جائے گا۔

اور ان کے سوا بہت ساری احادیث تارکین صلوة جمعہ کے بارے میں وارد ہیں۔ اکثر ان احادیث کو حافظ عبد العظیم منذری رحمہ اللہ نے کتاب ”الترغیب والترہیب“ میں نقل کیا ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ صلوة جمعہ کو شہر اسلام سمجھ کر اس کے ادا میں غفلت و سستی نہ کریں اور وہ لوگ خواہ شہروں میں ہوں یا دیہات میں، فرضیت اس کی ان کے گلے سے اترتی نہیں۔ جس جگہ پر ہوں صلوة جمعہ کو جماعت سے ادا کریں۔ ورنہ مہر شقاوت ان کے دلوں پر لگا دی جائے گی اور دل ان کا مثل دل منافق کے ہو جائے گا۔ (الترغیب والترہیب ۱، ۲۹۴)

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں نماز جمعہ ہر گاؤں میں پڑھی گئی تھی یا نہیں؟ پس جاننا چاہیے کہ ابوداؤد ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

”عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک، وکان قائد أبیہ بعد ما ذهب بصرہ، عن أبیہ کعب، أنه کان إذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لاسعد بن زرارة قال: فقلت لہ: إذا سمعت النداء ترحم



لأسعد بن زرارة؟ قال: لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بنى بياضته في نقيع، يقال له: نقيع النخعات. قلت: كم لنتم يومئذ؟ قال: أربعون رجلاً. رواه أبو داود وابن ماجه، وقال فيه: كان أول من صلى بنا قبل مقدم النبي ﷺ من مكة. (سنن أبي داود، رقم الحديث ١٠٦٩، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٠٨٢)

كعب بن مالك رضی اللہ عنہ جب جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارة کے واسطے دعا مانگتے۔ ان کے بیٹے نے کہا: کیا وجہ ہے جب آپ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارة کے واسطے دعا مانگتے ہیں؟ انھوں نے کہا: اس واسطے کہ پہلے جمعہ انھوں نے قائم کیا ہزم النبیت میں، جو مدینہ میں بنی بياضہ کے زمینوں میں سے نقيع میں ایک موضع ہے۔ نقيع وہ مقام ہے جہاں پانی بھر رہتا ہے۔ جس کا نام نقيع النخعات تھا۔ عبدالرحمن بن كعب کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ چالیس افراد۔ اسے ابو داود اور ابن ماجه نے روایت کیا ہے اور ابن ماجه نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اسعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے سب سے پہلے جمعہ پڑھا یا تھا۔

قال في التلخيص: "وحدیث عبدالرحمن بن كعب أخرجه أيضا ابن حبان، والبيهقي، وصححه، قال الحافظ: وإسناده حسن، وهزم النبيت موضع من حرة بنى بياضته، وهي قرية على ميل من المدينة، وبنو بياضته بطن من الأنصار." انتهى (نيل الأوطار ٣ ٢٨٢)

وقال الحافظ ابن الملقن في البدر المنير: "وان كان في إسناده محمد بن إسحاق فهد ذكر سماعه لفضي غير سنن أبي داود: حدثني - قال البيهقي: وابن إسحاق إذا ذكر سماعه وكان الراوي عنه ثقة استقام الإسناد، قال في سننه: وهذا حديث حسن الإسناد صحيح، وقال في خلافياته: رواه كهم ثقات، وقال الحاكم: صحيح على شرط مسلم." انتهى (البدر المنير ٣ ٦٠٠)

"التلخيص" میں کہا ہے کہ عبدالرحمان بن كعب کی حدیث کی تخریج ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ ہزم النبیت: بنی بياضہ کے علاقے میں ایک مقام ہے۔ یہ بستی مینے سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور بنو بياضہ انصار کی ایک شاخ ہے۔ ختم شد۔

"حافظ ابن الملقن نے "البدر المنير" میں کہا ہے کہ اگرچہ اس کی سند میں محمد بن إسحاق ہیں، لیکن ابو داود کے علاوہ دوسری جگہ پر ان کے سماع کی تصریح موجود ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ جب ابن إسحاق اپنے سماع کی تصریح کر دے اور اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو سند مستقیم ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن اور صحیح ہے، اور اپنی خلافيات میں کہا ہے کہ اس کے تمام روایت ثقہ ہیں۔ حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر یہ صحیح ہے۔ ختم شد۔"

اور کہا زلیعی نے "نصب الراية" (٢ ١٩٨) میں:

وفيه محمد بن إسحاق، وهو دلس، وقد عنعن، لكن رواه البيهقي فصرح فيه بالتحديث. قال البيهقي (٣ ١٤٤): وهذا حديث حسن الإسناد صحيح، فإن ابن إسحاق إذا ذكر سماعه، وكان الراوي عنه ثقة، استقام الإسناد.

"اس میں محمد بن إسحاق ہیں جو دلس ہیں، جنھوں نے عن کے ساتھ روایت بیان کی ہے لیکن اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس میں تحدیث کی صراحت ہے۔ بیہقی (٣ ١٤٤) نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن الاسناد اور صحیح ہے، کیونکہ ابن إسحاق جب اپنے سماع کا ذکر کر دے اور راوی ان سے ثقہ ہو تو سند مستقیم ہوتی ہے۔"

اور روایت کیا امام بخاری نے صحیح بخاری میں، و ابو داود (ص: ٢١٣ ج: ١) نے:

"عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أول جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعته في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة بجمعة جمعته بجمعة من قري البحرين - قال عثمان: قرية من قري عبد القيس." (١) صحیح البخاری، رقم الحديث (٨٥٢) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٠٦٨)

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے پہلا جمعہ جو پڑھا گیا اسلام میں بعد اس جمعہ کے جو مسجد نبوی میں، وہ جمعہ ہے جو پڑھا گیا جو ہائین۔ جو ہائیک گاؤں ہے بحرین کے گاؤں میں سے۔ عثمان نے کہا: وہ گاؤں ہے عبدالقیس کے گاؤں میں سے۔"



کما حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱/۳۸۶) میں :

”قوله: بجواثی من البحرین، وفي رواية وكبح: قريه من قري البحرین، وفي أخرى عنه: من قري عبد القيس، والظاهر أن عبد القيس لم يجمعوا إلا بأمر النبي ﷺ لما عرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالأموال الشرعية في زمن نزول الوحي، ولأنه لو كان ذلك لا يجوز لنزول فيه القرآن كما استدل جابر وأبو سعيد على جواز العزل فإنهم فعلوه والقرآن ينزل، فلم ينهوا عنه، وكل الجوهري والزمخشري وابن الأثير أن جواثی اسم حصن بالبحرين، وهذا لا ينافي كونها قريه، وكل ابن التين عن أبي الحسن اللخمي أنها مدينة، وما ثبت في نفس الحديث من كونها قريه، صح مع احتمال أن تكون في الأول قريه ثم صارت مدينة. انتهى“

”جواثی بحرین سے ہے۔ وکبح کی ایک روایت میں ہے کہ بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ انھیں سے دوسری روایت میں ہے کہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ عبد القیس جمعہ نہیں پڑھتے تھے، مگر نبی ﷺ کے حکم سے، کیونکہ صحابہ کی عادت معروف تھی کہ امور شریعت میں نزول وحی کے وقت وہ بذات خود کوئی کام شروع نہیں کرتے تھے، اور اس لیے بھی کہ اگر ایسا فعل جائز نہ ہوتا تو قرآن میں اس کا نزول ہوتا، جیسا کہ جابر اور ابو سعید رضی اللہ عنہما نے عزل کے جواز کے سلسلے میں استدلال کیا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور قرآن نازل ہو رہا تھا اور ان کو منع نہیں کیا گیا۔ جوہری و زمخشری اور ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ جواثی بحرین میں ایک قلعے کا نام ہے، لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں ہے۔ ابن التین نے ابوالحسن لخمی کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ یہ ایک شہر ہے۔ لیکن اسی حدیث میں اس کے گاؤں ہونے کا ذکر ہے تو یہ احتمال ہے کہ شروع میں وہ گاؤں تھا اور بعد میں شہر ہو گیا۔ ختم شد۔“

وقال الحافظ أيضا في الفتح (۱/۳۸۳):

”روى عبد الرزاق بإسناد صحيح عن محمد بن سيرين قال: جمع أهل المدينة قبل أن يقدم رسول الله ﷺ وقبل أن تنزل الجمعة، فقاتل الأنصار: إن ليصود لوما يجمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارى كذلك، فعلم فلنجعل لوما يجمع فيه فنذكر الله تعالى، ونصلي ونشكره فبعه يوم العروبة، واجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فضلى بهم يومئذ، وأمر الله تعالى بعد ذلك إذا نُودي للصلوة من يوم الجمعة... الآية. وهذا إن كان مرسلًا فله شاهد بإسناد حسن أخرجه أحمد وأبو داود وابن ماجه، وصححه ابن خزيمة وغير واحد، من حديث كعب بن مالك قال: كان أول من صلى بنا الجمعة قبل مقدم رسول الله ﷺ المدينة أسعد بن زرارة الحديث. فرسل ابن سيرين يدل على أن أولئك الصحابة اختاروا يوم الجمعة بالاجتهاد، ولا يمنع ذلك أن يكون النبي ﷺ علمه بالوحي، وهو بمكة فلم يتمكن من إقامتها، ثم قد ورد فيه حديث عن ابن عباس رضي الله عنهما عند دار قطنى، ولذلك جمع لهم أول ما قدم المدينة كما حكاه ابن إسحاق وغيره. انتهى كلامه“

”حافظ نے ”فتح الباری“ (۱/۳۸۳) میں کہا ہے کہ عبد الرزاق نے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے محمد بن سیرین کے واسطے سے، انھوں نے کہا کہ اہل مدینہ نے جمعہ قائم کیا رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور جمعہ کی فرضیت نازل ہونے سے قبل۔ چنانچہ انصار نے کہا کہ یہود کے لیے سات دنوں میں ایک دن مخصوص ہے جس دن وہ مجتمع ہوتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ کا بھی معاملہ ہے تو آؤ ہم لوگ بھی ایک دن مخصوص کر لیں، جس میں ہم لوگ مجتمع ہوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں اور اس کا شکر بجالائیں۔ تو ان لوگوں نے ”یوم العروبة“ کا دن مخصوص کیا اور اسعد بن زرارة کے یہاں مجتمع ہوئے، جہاں اس روز انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی کہ ”جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے“ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس کا ایک شاہد حسن سند کے ساتھ مروی ہے، جس کی تخریج احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے کی ہے اور ابن خزیمہ وغیرہ نے کعب بن مالک کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ کعب بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل سب سے پہلے ہم نے نماز جمعہ اسعد بن زرارة کے ساتھ پڑھی۔ الحدیث۔ ابن سیرین کی مرسل حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ نے جمعہ کا دن اجتناد سے اختیار فرمایا تھا اور یہ چیز اس بات میں مانع نہیں ہے کہ نبی ﷺ کو مکے میں وحی کے ذریعے بتا دیا گیا ہو، لیکن اس وقت آپ ﷺ وہاں جمعے کی اقامت پر قادر نہیں تھے۔ دارقطنی کے ہاں اس سلسلے میں ابن عباس کے واسطے سے ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کے لیے جمعہ قائم کیا، جب سب سے پہلے مدینہ میں تشریف لائے، جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ کلام ختم ہوا۔“

وقال الحافظ ابن حجر في التلخيص الجدير (ص: ۱۳۳):

”روى الطبراني في الكبير والأوسط عن أبي مسعود الأنصاري قال: ممن قدم من المهاجرين المدينة مصعب بن عمير، وهو أول من جمع بجماعة الجمعة، فجمعهم قبل أن يقدم رسول الله ﷺ“



اول: ہزم البیت میں جو ایک گاؤں مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے ہمراہ جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نماز جمعہ کی پڑھی۔

دوسرے: جو اٹی جو ایک گاؤں ہے بحرین میں، وہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعہ پڑھا۔

تیسرے: قبل ہجرت فرمانے رسول اللہ ﷺ کے طرف مدینہ کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں حکم رسول ﷺ نماز جمعہ پڑھایا۔ باوجود اس کے کہ اس وقت مدینہ منورہ بھی گاؤں ہی کے حکم میں تھا، البتہ بعد از ہجرت آبادی اس کی بہت بڑھ گئی تھی۔

صحیح بخاری کے ”باب فضل المدینہ“ میں ہے:

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ((أمرت بقریبنا کل القریمی یقولون: یشرب، وہی المدینة))“ الحدیث (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۷۷۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۸۲)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک ایسی بستی کے بارے میں حکم دیا گیا جو دیگر بستیوں کو کھاتا جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ یشرب ہے، حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ الحدیث“

چوتھے: رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو بنی سالم میں، جو ایک گاؤں ہے درمیان قبا اور مدینہ کے، وہاں نماز جمعہ کی ادا فرمائی۔

جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ شرائط و قیودات واسطے صحت صلوٰۃ جمعہ کے جو کتب حنفیہ میں مذکور ہیں، اس کا اثر و نشان احادیث صحیحہ مرفوعہ سے پایا نہیں جاتا۔ اسی واسطے علامہ شوکانی یحییٰ نے کتاب ”السبل الجرار المتدفق علی حدائق الأزهار“ میں لکھا ہے:

”قوله: وإمام عادل لرح قول: لیس علی هذا الاشرط آثاره من علم، بل لم یصح ما یروی ذلک عن بعض السلف، فضلا عن أن یصح فیہ شیء من رسول اللہ ﷺ، ومن طول المقال فی هذا المقام فلم یبطل قط، ولا یستحق ما لا أصل له بل یشغلہ برده، بل یشغل فیہ أن یقال: هذا کلام لیس من الشریعة، فکل ما لیس منھا فهو ردی مردود علی قائمہ، مضروب بہ فی وجہ۔“

”قوله: وثلاثه مع مقیما۔ اقول: هذا الاشرط لهذا العدد لا دلیل علیہ قط، وهكذا الاشرط ما فوقه من الأعداد، والاستدلال بأن الجمعة أقيمت فی وقت كذا أو عدد من حضرها كذا فهذا الاستدلال باطل لا یتمسک بہ من یعرف کیفیة الاستدلال، ولو كان هذا صحیحاً لكان اجتماع المسلمین معہ ﷺ فی سائر الصلوة دلیلاً علی اشرط العدد، والحاصل أن صلوٰۃ الجمعة قد صحت لو احد مع الإمام، و صلوٰۃ الجمعة ہی صلوٰۃ من الصلوات فمن اشرط فیها زیادة علی ما ینعقد فیہ الجماعۃ فعلیہ الدلیل، ولادلیل، وقد عرفناک غیر مرة أن الشرط انما تثبت بأدلة خاصة یتدل علی انعدام الشرط عند انعدام شرط، فأثبت مثل هذه الشرط بما لیس بدلیل أصلاً، فضلاً أن یشکل دلیلاً علی الشریعة، ہی مجازة بالغة، وجرأة علی التقول علی اللہ عزوجل وعلی رسولہ وعلی شریعتہ، والعجب من كثرة الأقوال فی تقدیر العدد حتی بلغت إلی سبعة عشر قولاً لیس علی شیء منھا دلیل یتدل بہ قط۔ قوله: ”ومسجد فی مستوطن“ اقول: وهذا الشرط أيضاً لم یدل علیہ دلیل یصلح للتمسک بہ لجراد الاستحباب فضلاً عن الشریعة، ولقد كثرت التلاعب بهذه العبادة حتی وصل إلی حد یفضی منه العجب، والحق أن هذه الجمعة فریضة من فرائض اللہ سبحانه وتعالی، وشعار من شعارات الإسلام، و صلوٰۃ من الصلوات فمن زعم أنه یتعبر فیھا ما لا یتعبر فی غیرھا من الصلوات لم یسمع منه ذلك الا بدلیل، وقد تخصصت بالخطبة، و لیست الخطبة الا مجرد موعظة، یتواظف بہ عباد اللہ، فإذا لم یکن فی المكان الا رجلان قام أحدهما بخطب واستمع له الآخر، ثم قاما فصلیا صلوٰۃ الجمعة۔“ انتهى کلامہ بحروفہ (السبل الجرار المتدفق علی حدائق الأزهار ۲ ۱۸۲)

”ان کا یہ کہنا کہ ”امام عادل ہو... الخ۔ میں کہتا ہوں کہ اس شرط پر کوئی علمی دلیل منتقل نہیں، بلکہ اس سلسلے میں وہ بھی درست نہیں ہے جس کی روایت بعض سلف کے واسطے سے کی جاتی ہے۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ثابت ہو۔ جس نے اس کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے، وہ کوئی فائدہ مند چیز پیش نہیں کر سکا اور جس امر کی کوئی اصل نہ ہو، وہ تردید کے لیے اس کی مستحق نہیں کہ اس پر بحث کی جائے، بلکہ اس سلسلے میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ شرعی کلام نہیں ہو سکتا اور جو چیز شریعت میں ہے نہیں وہ قابل رد اور قائل کے منہ



پردے مانے کے قابل ہے۔ ان کا کہنا کہ تین بندے ہوں جن میں ایک مقیم ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ تین کی یہ شرط بالکل بلا دلیل ہے اور اسی طریقے سے اس سے زیادہ تعداد کی شرط۔ اس سلسلے میں یہ استدلال کی نماز جمعہ فلاں وقت قائم کی گئی اور اس میں اتنے لوگ حاضر تھے۔ یہ استدلال باطل ہے اور وہ شخص ہی اس شرط کو گرہ میں باندھ سکتا ہے جو استدلال کی کیفیت سے نا آشنا ہو۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو تمام مسلمانوں کا اجتماع آپ ﷺ کے ساتھ تمام نمازوں میں مخصوص عدد کی شرط کی دلیل ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ جمعے کی نماز امام کے ساتھ ایک آدمی کی بھی درست ہوگی۔ جمعہ کی نماز دیگر نمازوں ہی میں سے ایک نماز ہے اور جس نے زیادتی کی شرط لگائی ہے کہ اتنی تعداد پر جماعت منعقد ہوگی تو اسے چاہیے کہ وہ دلیل لائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم یہ بات متعدد بار بتا چکے ہیں کہ شرائط مخصوص دلائل سے ثابت ہوتی ہیں، جو شرط کے انعدام کے وقت مشروط کے انعدام پر دلالت کرتے ہیں، پس اس طرح کی شروط کا اثبات جس کی اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے، چہ جائیکہ شریط پر دلیل ہو، یہ صریح ظلم اور جرات ہے اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور اس کی شریعت پر اور ان پر جھوٹی بات گھڑنے کے مترادف ہے۔ حد درجہ تعجب ہے کہ اس سلسلے میں یعنی عدد کے تعین کے سلسلے میں بہ کثرت اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ سولہ اقوال ہیں اور کسی کی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے استدلال کیا جائے۔ درست بات یہ ہے کہ جس طرح بغیر شرط اور عدد کے دوسری جماعتیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح جمعہ ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ مسجد آباد ہو یا آبادی بیسو تو میں کہتا ہوں کہ یہ شرط بھی ایسی ہے جس کے استحباب پر کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی چہ جائیکہ اسے شرط بنایا جائے۔ اس عبادت کے بارے میں کھلوڑ بہت زیادہ ہوا ہے، حتیٰ کہ یہ کھلوڑ عجب کی حد کو بھی پار کر گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جمعہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض میں سے ایک فریضہ، اسلام کے شعائر میں سے ایک شعار اور نمازوں میں سے ایک نماز ہے اور جو گمان کرے اس میں ان اعتبارات کا جن کا اعتبار دوسری نمازوں میں نہیں ہے تو اس سلسلے میں اس سے کوئی بات بلا دلیل نہیں سنی جائے گی، البتہ جمعہ کی نماز کے ساتھ خطبہ مخصوص ہے اور خطبہ محض موعظت ہے، پس اگر کسی جگہ دو آدمی سے زیادہ نہیں ہیں تو ان میں ایک کھڑا ہو جائے گا اور خطبہ دے گا اور دوسرا سماعت کرے گا، پھر دونوں کھڑے ہوں گے اور جمعہ کی نماز پڑھیں گے۔ ان کا کلام انہی کے الفاظ میں ختم ہوا۔

مگر حنفیوں کا دعویٰ ہے کہ ماخذ ان شرائط و قیودات کا وہ اثر ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے :

”لا تشریق ولا جمعة ولا فطر ولا اضحیٰ الا مصر جامع“

”نہ تشریق ہے نہ جمعہ ہے نہ فطر ہے اور نہ قربانی ہے مگر مصر جامع میں۔“

لیکن معلوم کرنا چاہیے کہ یہ قول حدیث مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا امام بیہقی نے ”معرفة السنن والآثار“ میں :

”قال الشافعی فی التقدیم : وقال بعض الناس : لا تجوز الجمعة الا فی مصر جامع ، وذكر فیہ شیئا ضعیفا ، قال أحمد : انما یروی هذا عن علی فامنا النبی ﷺ فانه لا یروی عنہ فی ذلک شیء۔“ (معرفة السنن والآثار ۴ ۳۲۲)

”شافعی نے قدیم قول میں کہا ہے : ”بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جمعہ جائز نہیں ہے مگر مصر جامع میں اور اس بارے میں ضعیف چیز کا ذکر کیا ہے۔ احمد نے کہا کہ اس کی روایت صرف علی کے واسطے سے کی جاتی ہے اور رہی نبی ﷺ کی بات تو آپ ﷺ سے اس بابت کوئی چیز مروی نہیں ہے۔ ختم شد۔“

اور تخریج زلیعی میں ہے :

”قلت : غریب مرفوعا ، واما وجدناه موقوفا علی علی۔“ (نصب الرایۃ ۲ ۱۳۴)

”میں نے کہا کہ مرفوعاً غریب (ضعیف) ہے اور ہم نے اسے علی رضی اللہ عنہ پر موقوف پایا ہے۔“

اور کہا حافظ نے تلخیص میں :

”حدیث علی : لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر۔ ضعف أحمد۔“ (التلخیص الجمیر ۲ ۵۴)



”علی کی حدیث ”لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر“ کو احمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

اور کہا ”درایہ تخریج احادیث ہدایہ“ (ص: ۱۳۱) میں :

”قال البیهقی : لایروی عن النبی ﷺ فی ذلک شیء“ انتہی (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۱: ۲۱۲)

”بیہقی نے کہا کہ اس سلسلے میں نبی ﷺ سے کوئی روایت نہیں بیان کی جاتی۔ ختم شد“

بلکہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، روایت کیا اس کو عبد الرزاق نے مصنف میں :

”أخبرنا معمر عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي، قال : لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع۔“ (مصنف عبد الرزاق ۳: ۱۶۷)

ورواه ابن أبي شیبہ : حدثنا عبد بن العوام عن جاج عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي قال : لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا أضحى الا فی مصر جامع أو مدینة عظيمة۔ انتہی (صنف ابن أبي شیبہ ۱: ۳۳۹، نصب الرایة ۲: ۱۳۲)

والحدیثان ضعیفان، الحارث الأعور ضعیف جدا۔

ورواه عبد الرزاق أيضا : أنبا الثوري عن زبید الیامی عن سعد بن عبیدة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي قال : لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع۔“ (مصنف عبد الرزاق ۳: ۱۶۸)

قال فی الدرایة (ص: ۱۳۱) : إسناده صحیح۔

وقال البیهقی فی المعرفة : أخبرنا علی بن أحمد بن عبدان قال : حدثنا شعبه عن زبید الیامی عن سعد بن عبادة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي قال : لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع، وكذلك رواه الثوري عن زبید موقوفا۔ انتہی (معرفة السنن والآثار ۲: ۳۲۳)

وأخرج ابن أبي شیبہ حدثنا جریر عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبیدة عن أبي عبد الرحمن عن علي : لا جمعة ولا تشریق۔ الحدیث۔ قال العینی فی شرح البخاری : ”سنده صحیح“ (مصنف ابن أبي شیبہ ۱: ۲۳۹)، (عمدة القاری ۶: ۲۸۹)

”ہمیں معمر نے بتایا ابو اسحاق کے واسطے سے، انھوں نے حارث کے واسطے سے اور انھوں نے علی کے واسطے سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشریق صرف شہر کی جامع مسجد میں ہے۔ اس کی روایت ابن ابی شیبہ نے کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہمیں عبد بن عوام نے حجاج کے واسطے سے حدیث بیان کی، انھوں نے ابو اسحاق کے واسطے سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ جمعہ کی نماز، نہ تشریق، نہ عید الفطر اور نہ عید الاضحیٰ کی نماز جائز ہے، مگر مصر جامع میں یا کسی بڑے شہر میں۔ ختم شد۔ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ حارث الاعور بہت زیادہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت عبد الرزاق نے بھی کی ہے کہ ثوری نے زبید الیامی کے واسطے سے خبر دی، انھوں نے سعد بن عبیدہ کے واسطے سے، انھوں نے ابو عبد الرحمن السلمي کے واسطے سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا : جمعہ اور تشریق صرف مصر جامع ہی میں ہے۔“ (الدرایہ ۳: ۱۳۱) میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ بیہقی نے ”المعرفة“ میں کہا ہے کہ ہمیں بتایا علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے زبید الیامی کے واسطے سے، وہ سعد بن عبادة کے واسطے سے، وہ ابو عبد الرحمن السلمي سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ تشریق ہے اور نہ جمعہ مگر مصر جامع میں۔ اسی طرح سے ثوری نے زبید کے واسطے سے موقوفاً روایت کی ہے۔ ختم شد۔ امام ابن ابی شیبہ نے تخریج کی ہے کہ ہمیں جریر نے حدیث بیان کی منصور کے واسطے سے، وہ طلحہ کے واسطے سے، وہ سعد بن عبیدہ سے، وہ ابو عبد الرحمن کے واسطے سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کہ نہ جمعہ ہے اور نہ تشریق، الحدیث۔ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔“

جواب اس کا یہ ہے کہ اس قول کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ پس جب قول رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہوا، پس یہ اثر بمقابل آیت قرآن و حدیث مرفوع : ((الجمعة حق واجب علی کل



مسلم)) کے حجت نہیں ہے۔ البتہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بچند طرق مروی ہے۔ بعض سند اس کی ضعیف و بعض صحیح ہے، جیسا کہ بیان اس کا مفصلاً گزرا اور پھر بعد صحت سند یہ معلوم نہیں ہے کہ مصر جامع کی تفسیر کیا ہے؟ (سنن ابی داود، رقم الحدیث ۱۰۶۷)

اسی واسطے کہا امام شافعی نے:

”ولاندري ما حد المصرا لجامع؟“ أخرجه البيهقي في المعرفة - (معرفة السنن والآثار ۴ ۳۲۳)

”ہمیں نہیں معلوم کہ مصر جامع کی تفسیر کیا ہے؟ اس کی تخریج بیہقی نے المعرفة میں کی ہے۔“

اور جو کما شیخ ابن الہمام نے فتح القدر میں:

”وکفی بعلی قدوة ولما“ (فتح القدر ۲ ۵۱)

”علی رضی اللہ عنہ کا قدوہ اور امام کے طور پر ہونا کافی ہے۔“

وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔ لآئہ للاحتجاج فیہ مسرح فلا ینقض للاحتجاج بہ۔

”کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اس لیے اس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔“

اور تعجب سخت و مقام حیرت ہے کہ ائمہ احناف کی تمامی کتب اصول مالامال ہے اس بات سے کہ خبر آحاد سے تخصیص نص قرآن شریف کی نہیں ہوتی ہے اور زیادتی قرآن پر خبر آحاد سے جائز نہیں، جیسا کہ تلویح میں ہے:

”وانما یرد خبر الواحد فی معارضة الكتاب لأن الكتاب مقدم لكونه قطعياً متواتراً للنظم، لاشبهة فی تنه ولاسندہ۔“ انتھی (شرح التلویح علی التوضیح ۲ ۱۷)

”قرآن سے معارضے کی صورت میں خبر واحد کو رد کر دیا جائے گا، کیونکہ قرآن مقدم ہے اس لیے کہ وہ قطعی اور متواتر النظم ہے۔ اس کے متن میں شبہ ہے اور نہ اس کی سند میں۔ ختم شد۔“

اور بھی تلویح میں ہے:

”لا یموز تخصیص الكتاب بخبر الواحد، لأن خبر الواحد دون الكتاب، لآئہ ظنی، والكتاب قطعی، فلا یموز تخصیصه لأن التخصیص تفسیر، وتفسیر الشیء لا یموز إلا بما یساویہ أو یحون فوقہ۔“ انتھی (مصدر سابق ۲ ۳۹)

”خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ خبر واحد قرآن سے کم تر ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ظنی ہے اور قرآن قطعی، تو اس کی تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ تخصیص تفسیر ہوتی ہے اور کسی چیز کی تفسیر اس کے مساوی یا اس سے اوپر کے درجے کی چیز ہی سے ہو سکتی ہے۔ ختم شد۔“

اور اصول الشاشی میں ہے:

”شرط العمل بخبر الواحد أن لا یحون مخالفاً للكتاب والسنة المشهورة۔“ انتھی (أصول الشاشی ص: ۱۷۶)

”خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو۔ ختم شد“



اور نور الانوار میں ہے :

”ونسخ ووصف فی الحکم بان ینسخ عمومہ وإطلاقہ، ویبقی أصلہ، وذک مثلاً الزیادۃ علی النص فإنھا نسخ عندنا، ولا یجوز عندنا إلا بالنسخ المتواتر والمشہور۔“ انتھی

”حکم میں کسی وصف کا نسخ اس طور سے ہو کہ اس کے عموم اور اطلاق دونوں کو منسوخ کر دے اور اس کی اصل باقی رہے۔ یہ نص پر زیادتی کے مثل ہے جو ہمارے نزدیک نسخ ہے اور یہ ہمارے نزدیک خبر متواتر اور مشہور کے بغیر جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔“

چنانچہ بنا براسی اصول مقررہ کے کتنی احادیث صحیحہ مرفوعہ رد کی گئی ہیں؟ اور پھر باوجود اس شدت کے یہ ایک اثر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اور خبر مرفوعہ آحاد کے درجہ میں بھی نہیں ہے، اس سے نص قرآن پر زیادتی اور اس کی تخصیص کی جاتی ہے اور اس کے حکم عام کا یہ اثر ناسخ ٹھہرایا جاتا ہے۔ یعنی نص قرآن میں حکم مطلق ہے واسطے صلوة جمعہ کے شہر و قسبات و دیہات ہر جگہوں میں۔ پھر اس حکم مطلق پر یہ زیادتی کرنا کہ دیہات میں صلوة جمعہ جائز نہیں اور عموم حکم قرآن کا ناسخ ٹھہرانا، بالکل مخالف ہے ان کے اس اصول مقررہ کے۔ وعلی کل حال یہ اثر موقوف قابل احتجاج نہیں، کیونکہ اثر موقوف کو قوت معارضہ خبر مرفوعہ کے نہیں۔ اور علاوہ اس کے دوسرے اجلائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مثل حضرت عمر و عثمان و ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے خلاف اس اثر کے ثابت ہے۔ یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیہات میں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے اور ان کے زمانہ میں گاؤں میں جمعہ پڑھا گیا ہے، یساکہ صحیح ابن خزیمہ میں مروی ہے اور بیہقی نے کتاب المعرفہ میں صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے۔

قال البیہقی: ”روی محمد بن اسحاق بن خزیمہ عن علی بن خشرم عن عیسیٰ بن یونس عن شعبۃ عن عطاء بن ابی یمن عن ابی یمن عن ابی رافع ان ابا ہریرۃ کتب الی عمر یسألہ عن الجمعۃ، وھو بالبحرین، فکتب الیہم ان جمعوا حیث ما کتتم۔ قال البیہقی: معناه آی قریۃ کنتم فیھا، لان مقتاھم من البحرین انما کان فی القری۔ قال أحمد (یعنی البیہقی): وھذا الاثر اسنادہ حسن۔“ انتھی (معرفۃ السنن والایثار ۲۲۳)

”بیہقی نے کہا کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے علی بن خشرم کے واسطے سے روایت کی، انھوں نے عیسیٰ بن یونس کے واسطے سے، انھوں نے شعبہ کے واسطے سے، انھوں نے عطاء بن ابی یمن کے واسطے سے اور وہ البورایف کے واسطے سے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بارے میں لکھ کر دریافت کیا، جبکہ وہ بحرین میں تھے، تو انھوں نے ان کو جواب دیا کہ جہاں بھی آپ لوگ ہیں جمعہ قائم کریں۔ بیہقی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جس گاؤں یا قریہ میں بھی ہو۔ کیونکہ وہ لوگ بحرین کے مقام پر گاؤں میں تھے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس اثر کی سند حسن ہے۔ ختم شد۔“

اور بھی کتاب المعرفہ میں ہے :

”وعلی اللیث بن سعد ان اهل الاسکندریہ و مدائن مصر سواھلھا کانوا یجمعون الجمعۃ علی عهد عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان بامرھما و فیھا رجال من الصحابہ۔“ انتھی (معرفۃ السنن والایثار ۲۲۲)

”لیث نے بیان کیا ہے کہ اہل اسکندریہ، مدائن مصر اور اس کے ساحلی علاقے کے لوگ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حکم سے جمعہ قائم کرتے تھے اور وہاں بہت سے صحابہ موجود تھے۔ ختم شد۔“

اور ”فتح الباری شرح صحیح البخاری“ میں ہے :

”وعن عمر آنہ کتب الی اهل البحرین ان جمعوا حیث ما کتتم، وھذا یشمل المدین والقری، اخرجہ ابن ابی شیبۃ من طریق ابی رافع عن ابی ہریرۃ عن عمر، وصحہ ابن خزیمہ، وروی البیہقی من طریق الولید بن مسلم: سألت اللیث بن سعد فقال: کل مدینۃ أو قریۃ فیھا جماعۃ أمروا بالجمعۃ، فان اهل مصر وسواھلھا کانوا یجمعون علی عهد عمر و عثمان بامرھما، و فیھا رجال من الصحابہ، وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر آنہ کان یری اهل المیاء بین مکہ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیھم، فلما اختلف الصحابہ وجب الرجوع الی المرفوع۔“ انتھی کلام الحافظ (فتح الباری ۲۲۸۰)



”عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کو لکھا کہ وہ جمعہ قائم کریں جہاں کہیں بھی ہیں۔ یہ حکم شہر اور گاؤں دونوں کو شامل ہے۔ اس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے البورانغ کے طریق سے، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کرتے ہیں۔ ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بیہقی نے ولید بن مسلم کے طریق سے روایت کی ہے کہ میں نے لیث بن سعد سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہر شہر اور گاؤں جہاں لوگوں کی جماعت ہو، وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ اہل مصر اور اس کے ساحلی علاقے کے لوگ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کے زمانوں میں جمعہ قائم کرتے تھے اور وہاں بہت سارے صحابہ بھی موجود تھے۔ مصنف عبد الرزاق میں صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مختلف بستیوں والوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں، تو وہ ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ جب صحابہ میں اختلاف ہو جائے تو مرفوع حدیث کی جانب رجوع واجب ہو جاتا ہے۔ حافظ کا کلام ختم ہوا۔“

اور ”تلخیص الجبر“ میں ہے :

”قال ابن المنذر فی الأوسط: روينا عن ابن عمر أنه كان يرى أهل الميآه بين مكة والمدینة یجمعون، ولا یعیب ذلك علیهم، ثم ساقه موصولا، وروی سعید بن منصور عن ابی هریرة أن عمر كتب لیسلم أن جمعا حیث ما كنتم۔“ انتهى (التلخیص الجبر ۲: ۵۴)

”ابن المنذر نے ”الأوسط“ میں کہا ہے کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اہل میآہ کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں تو وہ ان کے اس عمل پر کوئی عیب چینی نہیں کرتا تھا۔ پھر اس حدیث کو موصولاً بیان کیا ہے۔ سعید بن منصور نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ جمعہ قائم کرو، جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو۔ ختم شد۔“

پس یہ آثار حضرت عمر و عثمان و ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے مطابق حکم مطلق قرآن و حدیث مرفوع کے ہیں۔ تو اب اسی پر عمل واجب و لازم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الأحزاب: ۲۱)

”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔“

وقال: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

”اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے، اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔“

اور علاوہ اس کے ائمہ احناف رحمہم اللہ نے مصر جامع کی بنا پر مسلک کرخی کے جو تفسیر کی ہے کہ وہ شہر ایسا ہو جہاں حاکم و قاضی رہتا ہو اور اس کے سبب سے اقامت حدود وغیرہ جاری ہو۔

جیسا کہ ہدایہ میں ہے :

”والمصر جامع: کل موضع له امیر وقاضی فیئذی الآحکام، ولتقیم الحدود، وهذا عند ابی یوسف، وعنه أنتم إذا اجتمعوا فی اکبر مساجد حم لم یسعهم، والأول اختیار الکرخی، وهو الظاهر، والثانی اختیار البلیخی۔“ (الهدایہ ص: ۸۲)

”مصر جامع وہ جگہ ہے، جہاں ایک امیر اور ایک قاضی ہو، جو احکام نافذ کرتا اور حدود قائم کرتا ہو۔ یہ ابو یوسف کے نزدیک ہے اور انھی سے یہ بھی مستقول ہے کہ جب لوگ اپنی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں جو ان کو کافی نہ ہو۔ پہلا کرخی کا اختیار ہے اور وہی ظاہر ہے اور دوسرا بلخی کا اختیار ہے۔“

اور بعضوں نے یوں تفسیر کی کہ وہ ایسا شہر ہو کہ جہاں بازاریں دوکانیں ہوں اور حاکم بھی رہتا ہو، کہ جس سے انصاف درمیان ظالم و مظلوم ہوتا ہو، جیسا کہ فتح القدر میں ہے :



”بلدة فيحسا سلگ وأسواق ووال، ینتصف المظلوم من الظالم، وعالم یرج الیه فی الحوادث۔“ (فتح التقدير ۲: ۵۲)

”ایسا شہر جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور ایسا والی ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے اور ایک ایسا عالم ہو جس کی طرف مسائل و حوادث کے وقت رجوع کیا جاسکے۔“

توان دونوں تفسیر کے جو بنا بر مسلک کرخی کے ہے، اس کی کچھ اصلیت کتاب و سنت سے معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ منقول نہیں کہ صحابہ و تابعین نے زمانہ امارت یزید بن معاویہ میں نماز جمعہ ترک کیا ہو۔ باوجود اس کے کہ ظلم یزید بن معاویہ کا اظہار من الشمس تھا اور ہزاروں خون ناحق اس نے کیے اور پھر انصاف ظالم و مظلوم سے اس کو کیا علاقہ؟ بلکہ بعد وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امارت بنی امیہ میں حدود میں نہایت سستی ہو گئی اور انصاف ظالم و مظلوم کا بالکل مفقود ہو گیا۔ ہاں البتہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت اور بعض عباسیہ کی امارت میں اقامت حدود وغیرہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ بھی کہیں یہ منقول نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ و تبع تابعین نے نماز جمعہ ترک کیا ہو، ورنہ ترک کرنا ان لوگوں کا ضرور منقول ہوتا۔ (یہ بات مولانا رحمہ اللہ نے یزید کے متعلق عام شہرت کی بنا پر کی ہے، بغرض الزام، نہ کہ بر بنائے تحقیق۔ فقہبر)۔ [ع، ح]

دیکھو! مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ (بحر العلوم) لکھنوی نے ”ارکان اربعہ“ میں لکھا ہے:

”اختلف الروایات فی مذہبنا، ففی ظاہر الروایات: بلدة بجایام وقاض، یصلح لإقامة الحدود، وفی التقدير: بلدة فیحسا سلگ وأسواق ووال ینتصف المظلوم من الظالم، وعالم یرج الیه فی الحوادث، وهذا أخص، وحملوا قول أمير المؤمنين علی رضی اللہ عنہ مارواه عبدالرزاق: لا تشریف ولا جمعة إلا فی مصر جامع۔ علی أحد هذین الروایتین، فان المصر الجامع لا یكون إلا ما هذا شأنه، وعلی التفسیر الأول المصر الذی والیہ کافر، لا تجب فیہ الجمعة، وعلی التفسیر الثانی لا تجب فی المصر الذی والیہ ظالم، لا ینتصف المظلوم من الظالم، ویرد هذین الروایتین أن الصحابة واتباعهم لم یترکوا الجمعة فی زمان یزید مع أنه لا شعبة فی أنه کان من أشد الناس ظلما، لأنه هتک حرمة أهل البیت، وبقی مصر اعلیہ، ولم یرعلیہ وقت الاکان حو بسدد الظلم من اباحه بماء الصحابة الأختیار، وأما انتصاف المظلوم من الظالم فبمعنی منه کل البعد، فافهم، وإن شرط إقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم ینفی وجوب الجمعة مع أنها من شعار الإسلام، ونحن نقول: قد وقع التنازع فی إقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم فی الامة بنی أمیة بعد وفاة معاویة إلا فی زمان عمر بن عبدالعزیز، وفی إمارة بعض العباسیة، ولم یترک الجمعة أحد من الصحابة واتباعهم ومن تبعم فعلهم آنها لیس بشرطین۔“ انتہی

”ہمارے مذہب میں روایات مختلف ہیں۔ ظاہر الروایہ سے پتا چلتا ہے کہ (مصر جامع) ایک ایسا شہر قصبہ جس کا ایک امام اور ایک قاضی ہو جو حد و قائم کرتا ہو۔“ فتح التقدير ”میں ہے کہ بلدة وہ ہے جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور ایک والی ہو جس سے مظلوم کو ظالم سے انصاف ملے اور ایک عالم ہو جس کی طرف حوادث کے وقت رجوع کیا جاتا ہو۔ یہ تعریف زیادہ مخصوص ہے۔ ان لوگوں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول ”جمعة اور تشریق صرف مصر جامع میں ہے“ کو محمول کیا ہے ان دونوں روایتوں میں سے ایک روایت پر، کیوں کہ مصر جامع کی تعریف مکمل نہیں ہوتی ہے مگر ان خصوصیات کے ساتھ۔ پہلی تفسیر کے مطابق مصر وہ ہے جس کا والی کافر ہو، اس میں جمعہ واجب نہیں ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس شہر میں جمعہ واجب نہیں ہے جس کا والی ظالم ہو اور ظالم سے مظلوم کو انصاف نہ ملتا ہو۔ یہ دونوں روایات رد کردی جائیں گی، کیونکہ صحابہ و تابعین نے یزید کے زمانے میں جمعہ ترک نہیں کیا، اس کے باوجود کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑا ظالم تھا، جس نے اہل بیت کی حرمت کو تار تار کیا اور وہ اپنی ان حرکتوں پر مصر رہا اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جبکہ اس نے اپنے بے پناہ مظالم کے ذریعے صحابہ کا خون نہ بہایا ہو۔ رہا معاملہ ظالم سے مظلوم کی داد رسی کا تو اس سے اس کی دور دور تک امید نہیں۔ تو یہ بات جان لو کہ اقامت حدود کی شرط اور ظالم سے مظلوم کی داد رسی کی شرط وجوب جمعہ کے منافی ہے، حالانکہ جمعہ شعار اسلام میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اقامت حدود اور مظلوم کی داد رسی کے معاملے میں بنو امیہ کے دور میں بڑی سستی آگئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سوائے عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اور بعض عباسی خلفاء کے عہد امارت میں، ان حالات میں صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے کسی نے بھی جمعہ ترک نہیں کیا۔ پس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ ختم شد۔“

اور علاوہ اس کے اسعد بن زرارہ نے قبل قدم رسول اللہ ﷺ کے نماز جمعہ جو ہزم النیبت میں ہمارا جماعت صحابہ ادا کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے وقت قدم مدینہ منورہ بعد خروج از قبا کے صلوة جمعہ کو جو بنی سالم میں ادا فرمایا، یہ دونوں واقعے مبطل اس مسلک کرخی کے ہیں، کیونکہ مدینہ منورہ قبل از قدم اور بھی ابتداء زمانہ قدم رسول اللہ ﷺ میں دار اقامت حدود و تنفیذ احکام مطابق مسلک کرخی کے ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ کتب احادیث و سیر سے واضح و ظاہر ہے اور تفصیل اس امر کی کتاب ”النور اللاحق فی أخبار صلوة الجمعة عن النبی الشافع“ میں ان شاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی۔ وفتنی اللہ تعالیٰ لإتمامہ کما وفتنی لابتنائہ، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔



اور منجملہ شرائط صحت جمعہ نزدیک ائمہ احناف کے اذن سلطان بھی ہے اور اس کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی ہے، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ فتنہ میں چالیس دن محصور رہے اور وہ یقیناً امام حق تھے۔ بائیں ہمہ حضرت علی وطلحہ والیوب و سہل بن حنیف والیوامامہ رضی اللہ عنہم وغیرہم نماز عیدین وغیرہ پڑھاتے رہے اور اذن طلب کرنا ان لوگوں کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مستقول نہیں۔

جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے :

”مالک عن ابن شہاب عن ابی عبید مولى بن أزر قال : شهدت العيد مع علي بن أبي طالب ، و عثمان محصور ، فجاء فصلى ، ثم انصرف فخطب .“ انتہی (موطا الإمام مالک ۱ ۱۷۸)

وہذا أخرجه الشافعي وابن حبان ، وقال الرافعي في شرح الوجيز : ”روي أن علياً أقام الجمعة ، و عثمان محصور .“ (مسند الشافعي ص : ۶۱ ، صحيح ابن حبان ۸ ۳۶۳) ، (فتح العزيز شرح الوجيز ۴ ۵۳۷)

قال الحافظ ابن حجر في التلخيص : ”وكان الرافعي أخذ بالقياس لأن من أقام العيد لا يبعد أن يقيم الجمعة فقد ذكر سيف في الفتوح أن مدة الحصار كانت أربعين يوماً لكن قال : كان يصلى بهم تارة طلحة ، وتارة عبد الرحمن بن عديس ، وتارة غيرهما .“ انتہی (التلخيص الجدير ۲ ۵۸)

”مالک، شہاب کے واسطے سے، وہ ابو عبید مولى بن ازہر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عید کی نماز علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، وہ آئے اور انہوں نے نماز پڑھی پھر بیٹے اور خطبہ دیا۔ ختم شد۔ اس کی تخریج شافعی اور ابن حبان نے کی ہے اور رافعی نے شرح الوجیز میں کہا ہے کہ روایت بیان کی گئی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ قائم کیا دراصل عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ رافعی نے اس کو قیاس سے اخذ کیا ہے، کیونکہ جو عید کی نماز قائم کرتا ہے، وہ جمعہ کی نماز بھی قائم کر سکتا ہے۔ سیف نے الفتوح میں ذکر کیا ہے کہ حصار کی مدت چالیس دن تھی، لیکن انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کو کبھی طلحہ نماز پڑھاتے اور کبھی عبد الرحمن بن عدیس اور کبھی ان کے علاوہ کوئی اور۔ ختم شد۔“

اور زرقانی شرح موطا میں ہے :

”قال أبو عمر : إذا كان من السنة أن تقام صلوة العيد بلا إمام فاجتمع أولى، وبه قال مالک والشافعي، قال مالک : لئلا يرضه فرائض لا يسقطها موت الوالي، ومنع ذلك أبو حنيفة كالحمد، ولا يقيها إلا السلطان، وقد صلى بالناس في حصر عثمان طلحة وأبو أيوب وسهل بن حنيف وأبو أمامة بن سهل وغيرهم، وصلى بهم على صلوة العيد فقط .“ انتہی (شرح الزرقاني على الموطا ۱ ۵۱۵)

”ابو عمر نے کہا کہ جب یہ سنت ہے کہ نماز عید قائم کی جائے گی امام کے بغیر تو جمعہ اس حکم کا زیادہ مستحق ہے اور یہی بات مالک اور شافعی نے کہی ہے۔ مالک نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر اللہ کے لیے (بندوں پر) کچھ فرائض ہیں، جسے والی کی موت ساقط نہیں کر سکتی۔ لیکن ابو حنیفہ نے اس سے انکار کیا ہے، جیسے حدود ہیں کہ اس کی اقامت سلطان ہی کر سکتا ہے، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ حصر میں لوگوں کو نماز پڑھانی طلحہ نے، ابو ایوب نے، سہل بن حنیف نے اور ابو امامہ بن سہل وغیرہم نے، اور حضرت علی نے ان کو عید کی نماز بھی پڑھانی۔ ختم شد۔“

اور کاتبی سلام اللہ رحمہ اللہ نے ”محلّی شرح موطا“ میں :

”وقال أبو عبید : ثم شهدت العيد أي الأضحى مع علي بن أبي طالب ، و عثمان محصور في داره أيام القتيبة ، و روي أنه يؤم الناس أيضا في أيام المحاصرة كنانة من رؤوس البغاة ، وقد يؤمهم طلحة ، وأحياناً سهل بن حنيف .“ انتہی

”ابو عبید نے کہا کہ پھر میں نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی، درآں حالیکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنے کے زمانے میں اپنے گھر میں محصور تھے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ محاصرے کے ایام میں باغیوں کا سردار کنانہ لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ اور بسا اوقات طلحہ امامت کرتے اور کبھی سہل بن حنیف۔ ختم شد۔“



اور ”ارکان اربعہ“ میں ہے :

”ومنها السلطان أو أمره باقامة الجمعة عند الحنفية خاصة لا عند الشافعية، فإجماع مسلمو بلدة، وقد موألما، وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة، والمأمور من قبل السلطان أفضل، ولم أطلع على دليل يفيد اشتراط أمر السلطان، وما في الهداية إلا أنها تقام بجماعة - فحسب أن تقع المنازعة - فحذا رأيت لاثبت الاشتراط لإطلاق نصوص وجوب الجمعة، ثم هذه المنازعة تندفع بإجماع المسلمين على تقديم واحد كما أن رتبة السلطان يطبقها كل أحد من الناس فحسب أن تقع المنازعة فلا يصح نصب السلطان لكن تندفع هذه المنازعة بإجماع المسلمين على تقديم واحد كذا هذا، وكما في جماعة الصلوة عسى أن تقع المنازعة في تقديم رجل لكن تندفع بإجماع المسلمين كذا في الجمعة ثم الصحابة أقاموا الجمعة في زمان فتنه بلوى أمير المؤمنين عثمان، وكان هو إماما محتا محصورا، ولم يعلم أنهم طلبوا الإذن في إقامة الجمعة، بل الظاهر عدم الإذن لأن هؤلاء الاشتقياء من أصحاب الشر لم يرضوا بذلك فعلم أن إقامة الجمعة غير مشروطة عند عدم الإذن -“ انتهى

”ان شرائط میں سے سلطان ہے یا اس کا اقامت جمعہ کا حکم دینا، احناف کے نزدیک خاص طور سے، شافعی حضرات کے نزدیک نہیں، کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی شہر کے مسلمان مجتمع ہو جائیں اور کسی کو امامت کے لیے آگے بڑھادیں اور اس کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھ لیں تو جمعہ جائز ہے۔ اگر سلطان کی جانب سے کوئی اقامت جمعہ کے لیے مامور ہو تو یہ افضل ہے۔ میں کسی ایسی دلیل سے واقف نہیں جو سلطان کے حکم کی شرط کا فائدہ دیتی ہو۔ یہ جو ”الهدایہ“ میں ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت سے قائم کی جاتی ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ حصر کا واقعہ ہو جائے۔ تو اس سے شرط ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ وجوب جمعہ کے سلسلے میں مطلق نصوص ہیں۔ پھر یہ نزاع مسلمانوں کے اجماع سے کسی ایک کو آگے بڑھانے کی صورت میں ختم ہو جائے گا، کیونکہ سلطان کا رتبہ بھی ایسا ہے کہ ہر ایک اس کا مطالبہ کرتا ہے، اس میں امکان ہے کہ نزاع واقع ہو جائے تو سلطان کا مقرر کرنا بھی درست نہ ہو، لیکن یہ نزاع کسی ایک کو آگے بڑھانے کی صورت میں تمام مسلمانوں کے اجماع سے ختم ہوتا ہے، جیسا کہ دیگر نمازوں کی جماعت میں ہوتا ہے کہ کسی شخص کے آگے بڑھانے کی صورت میں نزاع پیدا ہو جاتا ہے، لیکن نمازوں کے اجماع سے ختم بھی ہو جاتا ہے، ایسا ہی جمعہ کے معاملے میں ہے۔ پھر یہ کہ صحابہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں جمعہ قائم فرمایا، دران حالیکہ وہ امام حق محصور تھے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لوگوں نے ان سے اقامت جمعہ کے لیے اجازت طلب کی ہو، بلکہ عدم اذن ظاہر ہے، کیونکہ اصحاب شر اور بدبختوں نے ان کو اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اقامت جمعہ کے لیے اذن سلطان غیر مشروط ہے۔ ختم شد۔“

اور ائمہ احناف اوپر اشتراط سلطان کے جو یہ روایت ابن ماجہ کی پیش کرتے ہیں :

”حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير حدثنا الوليد بن بكير حدثني عبد الله بن محمد العدوي عن علي بن زيد عن سعيد بن المسيب عن جابر بن عبد الله قال : خطبنا رسول الله ﷺ فقال : اعلماؤا ان الله قد افترض عليكم الجمعة في مقامى هذا، في يومى هذا، في شهرى هذا، من عامى هذا الى يوم القيامة فمن تركها في حياتى أو بعدى ولد إمام عادل أو جائر“ الحديث (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٠٨١)

”ہمیں حدیث بیان کی محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے، انھوں نے کہا کہ ہمیں الولید بن بکیر نے بتایا، انھوں نے کہا کہ مجھے عبد اللہ بن محمد العدوی نے علی بن زید کے واسطے سے بتایا، وہ سعید بن مسیب کے واسطے سے اور وہ جابر بن عبد اللہ کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب کیا اور فرمایا کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جمعہ فرض کیا ہے اس جگہ، آج کے دن، میرے اس مہینے میں، اس سال، قیامت تک کے لیے، پس جس کسی نے میری زندگی میں یا میرے بعد درآں حالیکہ وہاں اس کے لیے امام عادل یا جائر موجود ہو، اسے ہتھوڑا... الحديث۔“

سو یہ قابل استدلال نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے۔ قابل حجت نہیں۔ ایک راوی اس میں عبد اللہ بن محمد العدوی ہے۔ وہ متروک الحدیث ہے اور بعضوں نے واضعین سے اس کو شمار کیا ہے اور بعضوں نے منکر الحدیث کہا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے :

”عبد اللہ بن محمد العدوی، قال البخاری : منکر الحدیث، وقال وکیع : یضع الحدیث، وقال ابن جبان : لا یجوز الا حجاج بن خمرہ۔“ انتهى (میزان الاعتدال ۲ ۳۸۵)

”عبد اللہ بن محمد العدوی کے بارے میں بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ وکیع نے کہا کہ وہ حدیث وضع کرتا ہے اور ابن جبان نے کہا کہ اس کی خبر سے حجت قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔“



اور بھی میزان میں بذیل ترجمہ ابان بن جبہ مرقوم ہے :

”نقل ابن القطان أن البخاري قال : كل من قلت فيه : منكر الحديث - فلا تحل الرواية عنه -“ (میزان الاعتدال ۱ : ۶)

”ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ بخاری نے کہا کہ ہر وہ شخص جس کو میں نے منکر الحدیث کہا ہے، اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔“

اور بھی کہا ذہبی نے بذیل ترجمہ سلیمان بن داود الیہامی کے :

”إن البخاري قال : من قلت فيه : منكر الحديث - فلا تحل روايته حديثه -“ (میزان الاعتدال ۲ : ۲۰۲)

”بخاری نے کہا کہ جس کے بارے میں، میں نے منکر الحدیث کہا، اس سے کسی حدیث کی روایت جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔“

اور ”تقریب التہذیب“ میں ہے :

”عبد اللہ بن محمد العدوی متروک، رماہ وکعب بالوضع -“ (تقریب التہذیب ص : ۳۲۲)

”عبد اللہ بن محمد العدوی متروک ہے۔ وکعب نے اس پر وضع حدیث کا الزام لگایا ہے۔ ختم شد۔“

اور علی بن زید بن جدعان، جو شیخ عبد اللہ بن محمد العدوی کا ہے، وہ بھی ضعیف ہے۔

قال المنذري في الترغيب والترهيب : ”علي بن زيد بن جدعان - قال البخاري وأبو حاتم : لا يتخبر به، وضعف ابن عيينة وأحمد وغيرهما، وروى عنه : ليس بشيء، وروى عنه : ليس بذاك القوي، وقال أحمد العجلي : كان يثبث و ليس بالقوي، وقال الدارقطني : لا يزال عندي فيه لين، وقال الترمذي : صدوق و صح له حديث في السلام، و حسن له غير ما حدیث -“ (انتہی

”المنذری نے ”الترغیب والترہیب“ میں کہا ہے علی بن زید بن جدعان کے بارے میں بخاری اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں قائم کی جاسکتی۔ ابن عیینہ اور احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، نیز یہ کہ وہ چنداں قابل اعتبار اور قوی نہیں۔ احمد عجمی نے کہا ہے کہ وہ شیعہ تھے اور قوی نہیں تھے۔ دارقطنی نے کہا کہ میرے یہاں وہ کمزور ہے اور ترمذی نے صدوق کہا ہے اور ان کی ایک حدیث کو صحیح اور کئی ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ختم شد۔“

اور کہا ذہبی نے میزان میں :

”قال حماد بن زيد : أخبرنا علي بن زيد، وكان يلقب الأحاديث، وقال الفلاس : كان يخبئ القطان يفتي الحديث عن علي بن زيد، [وروي عن يزيد بن زريع قال : كان علي بن زيد] رافضيا، وقال أحمد العجلي : كان يثبث و ليس بالقوي، وقال البخاري وأبو حاتم : لا يتخبر به، قال الفسوي : اختلط في كبره، وقال ابن خزيمة : لا أجتبه لسوء حفظه -“ (میزان الاعتدال ۳ : ۱۲۷)

”حماد بن زید نے کہا کہ ہمیں علی بن زید نے بتایا اور وہ حدیث میں ہیر پھیر کرتے تھے۔ فلاس نے کہا کہ یحییٰ قطان، علی بن زید کی حدیث سے بچتے تھے اور زید بن زریع نے کہا کہ وہ رافضی تھے اور احمد عجمی نے کہا کہ وہ تشیع کرتے تھے اور قوی نہیں تھے۔ بخاری اور ابو حاتم نے کہا کہ اس سے حجت نہیں قائم کی جاسکتی۔ فسوی نے کہا کہ ان کے بڑھاپے میں انھیں اختلاط واقع ہو گیا تھا اور ابن خزیمہ نے کہا کہ ان کے برے حافظے کی بنا پر میں ان کو حجت نہیں بنانا۔ ختم شد۔“

اور خلاصہ میں ہے :



قال قائل: الفتوى في مذهبنا الرواية المختارة بلعني "انتهي

"بمارس مذهب میں مفتی بہ قول بلعنی کا ہے۔ ختم شد۔"

لیکن یہ تفسیر بھی مصر جامع کی، جو مطابق مسکک بلعنی کے ہے، کتب لغت یا سنت رسول اللہ ﷺ میں پائی نہیں جاتی ہے کہ لائق حجت ہو، بلکہ جس وقت اسعد بن زرارہ نے اقامت جمعہ کی ہزم النبیست میں کیا تھا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے بنی سالم میں جمعہ پڑھا تھا، اس وقت مدینہ منورہ میں مساجد متعدد نہ تھی سوائے دو ایک کے کہ بڑی مسجد میں گنجائش و انداز آدمیوں کے اٹھنے کا کیا جاتا۔ دیکھو! جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ جاتے تھے تو قبائیں، جو قرب مدینہ میں واقع ہے، بنی عمرو بن عوف کے یہاں میں دن کے قریب آپ ﷺ نے اقامت فرمائی اور بنا بر بعض دوسری روایتوں کے چار دن مدت اقامت کی تھی۔ یعنی دو شنبہ و سه شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ اور انھیں کے مکان میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر مسجد قبائیں نیو ڈالی۔ اس کے بعد آپ ﷺ جمعہ کے دن روانہ ہوئے اور بنی سالم بن عوف کے یہاں اترے اور ان کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی کہ وہ مسجد آج تک جمعہ مسجد کر کے مشہور ہے۔ علامہ سمودی نے "خلاصۃ الوفاء بانباردارا لمصطفیٰ" میں لکھا ہے:

"الفصل الثانی فی مسجد قباء۔ فی الصحیح عن عروہ فی خیر قدمہ ﷺ قال: فلبث فی بنی عمرو بن عوف بضعة عشرة لیلة، وأسس المسجد الذی أسس علی التقوی۔ یعنی بنی عمرو بن عوف، کفانی روایت عبد الرزاق عنہ، ولابن عابد عن ابن عباس: مکث فی بنی عمرو بن عوف ثلاث لیل، واتخذ مکانہ مسجد افکان یصلی فیہ، ثم بناہ بنو عمرو بن عوف، فهو الذی أسس علی التقوی۔" انتھی (خلاصۃ الوفاء ص: ۱۸۴)

"صحیح میں عروہ کے واسطے سے مسجد قباء کے متعلق مروی ہے کہ آپ ﷺ کی آمد کے بارے میں انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف کے درمیان تقریباً دس راتوں سے کچھ اور پڑھتے اور اس مسجد کی بنیاد رکھی، جو تقوے پر مبنی تھی، یعنی عمرو بن عوف، جیسا کہ عبد الرزاق کی روایت میں ان کے واسطے سے ہے اور ابن عابد کی ایک روایت ابن عباس کے واسطے سے ہے کہ آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین راتیں ٹھہرے اور وہاں پر ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر بنو عمرو بن عوف نے اس کی تکمیل کی، تو یہی وہ مسجد ہے جو تقوے کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ ختم شد۔"

اور بھی "خلاصۃ الوفاء" میں ہے:

"الفصل الثالث، مسجد الجمعة۔ سبق أن النبی ﷺ فی خروجہ من قباء أدركته الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی بطن الوادي فكانت أول جمعة صلاھا بالمدینة، ولابن زبالة: فمر علی بنی سالم فصلی بهم الجمعة فی العییب بنی سالم، وهو المسجد الذی فی بطن الوادي، وفي رواية له: فهو المسجد الذی بناه عبد الصمد، ولابن شبة عن كعب ابن عجرة أن النبی ﷺ جمع أول جمعة حين قدم المدینة فی مسجد بنی سالم فی مسجد عائكة، وفي رواية له: الذی یقال له مسجد عائكة، قال المطري: والمسجد فی بطن الوادي كان صغيرا جدا۔" انتھی (خلاصۃ الوفاء ص: ۱۸۴)

وقال ابن هشام فی سیرتہ: "وذكر سفیان بن عیینة عن زكريا عن الشعبي قال: إن أول من بنى مسجد اعمار بن ياسر۔ قال ابن إسحاق: فأقام رسول اللہ ﷺ فی بیت أبي أیوب حتی بنی له مسجدہ ومسكنه، ثم انتقل إلى مسكنه من بیت أبي أیوب۔" انتھی کلام ابن هشام (سیرة ابن هشام ۱: ۲۹۸)

وروی یونس بن بکر فی زیادات المغازی عن السعدي عن الحكم ابن عتیبة قال: "لما قدم النبی ﷺ فنزل بقباء، قال عمار بن ياسر: ما لرسول اللہ ﷺ بد من أن یجعل له مكانا یستظل به إذا استیقظ، ویصلی فیہ فجمع حجارة فبنى مسجد قباء فهو أول مسجد بنی یعنی بالمدینة۔" انتھی (فتح الباری ۷: ۲۳۵)

وقال ابن هشام أيضاً: "أقام رسول اللہ ﷺ بقباء فی بنی عمرو بن عوف یوم الإثنين ویوم الثلاثاء ویوم الأربعاء ویوم الخميس، وأسس مسجدہ، ثم أخرج اللہ من بین أظهرهم یوم الجمعة، وبنو عمرو بن عوف یزعمون أنه مکث فیهم أكثر من ذلك، فالله أعلم أي ذلك كان، فأدرکت رسول اللہ ﷺ الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادي وادي رانوء فكانت أول جمعة صلاھا بالمدینة۔" انتھی کلام (سیرة ابن هشام ۱: ۲۹۴)



نیمسری فصل جمعہ مسجد کے بارے میں۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ کے قبا سے خروج کے وقت راستے میں بنو سالم بن عوف کے قبیلے میں جمعے کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے نماز جمعہ بطن وادی میں ادا کی۔ اسی کی ایک روایت میں ہے کہ وہ وہی مسجد ہے جو عبدالصمد نے بنائی تھی۔ ابن شہبہ کی کعب بن عجرہ کے واسطے سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پہلی جمعے کی نماز جب وہ مدینہ آ رہے تھے، مسجد بنی سالم مسجد عاتکہ میں پڑھی تھی۔ اسی کی ایک روایت میں ہے اسی کو مسجد عاتکہ کہا جاتا تھا۔ المطری نے کہا کہ بطن وادی کی مسجد بہت زیادہ چھوٹی تھی۔ ختم شد۔“

”ابن بشام نے اپنی ”سیرت“ میں کہا ہے: سفیان بن عیینہ سے زکریا کے واسطے سے اور وہ شعبی کے واسطے سے کہ شعبی نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے مسجد بنائی وہ عمار بن یاسر تھے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ابو یوب کے گھر میں اقامت پذیر ہوئے، پھر آپ کے لیے مسجد اور گھر بنائے گئے، پھر وہاں سے اپنے گھر منتقل ہو گئے۔ ابن بشام کا کلام ختم ہوا۔ یونس بن بکر نے ”زیادات مغازی“ میں روایت بیان کی ہے مسعودی کے واسطے سے اور وہ حکم بن عتیبہ کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ جب نبی ﷺ آئے تو قبا میں نزول فرمایا۔ عمار بن یاسر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے ایک مکان بنایا جائے جہاں وہ سایہ حاصل کریں، جب وہ بیدار ہوں اور اس میں نماز پڑھیں، تو انھوں نے پتھر جمع کیے اور مسجد قبا بنائی اور یہ پہلی مسجد تھی جو مدینہ میں بنائی گئی۔ ختم شد۔“

”ابن بشام نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبا میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن تک اقامت پذیر رہے اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جمعے کے دن ان کے درمیان سے نکالا۔ بنو عمرو بن عوف یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کے درمیان زیادہ دنوں تک ٹھہرے، یہ اللہ ہی کو زیادہ بہتر معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے دن ٹھہرے۔ راستے میں بنو سالم بن عوف میں جمعے کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے جمعے کی نماز اس مسجد میں پڑھی جو بطن وادی میں وادی رانواء میں تھی۔ تو یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ ﷺ نے مدینہ میں ادا کیا۔ ختم شد۔“

پس صلوٰۃ جمعہ کے عمدہ شعار اسلام سے ہے اور فرضیت اس کی نص قطعی سے ثابت ہے، ادا کرنا اس کا شہر و قصبہ و دیہات ہر جگہ لازم و واجب ہے اور محض بنا بر تفسیر کرخی یا بلخی کے کہ وہ مقابل دلیل ظنی کے بھی نہیں ہے، بلکہ ایک رائے محض ہے، ترک کرنا امر قطعی کا بالکل نا فہمی اور ضعف ایمان کی نشانی ہے۔

اور جواب تیسرے سوال کا یہ ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے کہ صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے۔ پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کیا، اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو دوبارہ ایک دن ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا اور یہ ممنوع ہے۔

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ: ((یتقول لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین)) رواہ أحمد وأبو داود والنسائی۔ (مسند أحمد ۲: ۱۹، سنن أبی داود، رقم الحدیث ۵۷۹، سنن النسائی، رقم الحدیث ۲۱۸۹)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک نماز کو دوبارہ ایک دن میں نہ پڑھو۔

پھر جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہو تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہیں ہو اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ و ائمہ مجتہدین و محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی مستقول نہیں۔ یہ ان میں سے کسی نے پڑھا اور نہ حکم پڑھنے کا دیا، بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے۔ پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا۔ کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے دین میں۔ بعض متاخرین حنفیہ نے اس ظہر احتیاطی کو نکالا ہے، جیسا کہ ”بحر الرائق شرح کزالدقائق“ میں ہے:

”وقد اُفتیت مراراً بعدم صلوٰۃ الأربع بعدھا بنیۃ آخر ظہر انھو اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ، وهو الاحتیاط فی زماننا۔“ (البحر الرائق ۲: ۱۵۱)

”میں نے متعدد بار فتویٰ دیا ہے کہ جمعے کی نماز کے بعد چار رکعت نماز ظہر کی نیت سے نہیں پڑھی جائے گی، اس اعتقاد کے خوف کی بنا پر کہ جمعہ فرض نہیں اور یہ ہمارے زمانے میں ایک احتیاطی تدبیر ہے۔“



اور بھی ”بحر الرائق“ میں ہے :

”لہذا قال فی فتح القدر فی بیان دلالتها : ثم قال : إنما أكثرنا فیہ نوعاً من الإكثار لما تسمع من بعض الجملۃ أنہم ینسبون الی مذہب الجندیۃ عدم افتراضها ، ونشأ غلطہم ما سیاتی من قول القدری ومن صلی الظہر [فی منزلہ بلوم الجندیۃ ، ولا عذرہ ، کرہ ، وجازت صلاتہ - وإنما أراد حرم علیہ ، وصحت الظہر] فاحرمہ لترك الفرض وصحت الظہر [لما سئذکرہ ، وقد صرح أصحابنا بانہا فرض آكد من الظہر] ویكفر جاحداً انتہی

”اقول : قد كثر ذلك من جملة زاننا أيضاً ، ونشأ جملهم صلوة الأربع بعدا بجمعة بنية الظہر ، وإنما وضعها بعض المتأخرین عند الشك فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددہا فی مصر واحد ، وليست هذه الرواية بالمختارة ، وليس هذا القول ، أعني اختيار صلوة الأربع بعدہا ، مروياً عن أبي حنيفة وصاحبيه - ” انتہی کلامہ - (البحر الرائق ۲ ۱۵۰ ، نیز دیکھیں : فتح القدر ۲ ۵۰)

”اس لیے انھوں نے ”فتح القدر“ میں اس کے دلائل کے بیان میں کہا ہے : یہاں ہم نے زیادہ تفصیل بیان کی ہے ، کیونکہ بعض جاہل لوگ حنفی مذہب کی طرف اس کی عدم فرضیت منسوب کرتے ہیں ۔ ان کی غلطی کا سبب قدری کا یہ قول ہے کہ ”جس نے جمعے کے دن ظہر کی نماز پنے گھر میں پڑھ لی اور اس کا کوئی عذر بھی نہیں تو یہ مکروہ ہے ، البتہ اس کی نماز درست ہے “ تو قدری کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے اور ظہر کی نماز بھی صحیح ہے اور تو یہ حرام اس لیے ہے کہ اس نے فرض جمعہ چھوڑا ہے ۔ نماز ظہر کے صحیح ہونے کے دلائل ہم عنقریب ذکر کریں گے ۔ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ جمعہ ، ظہر سے بھی زیادہ مؤکد فریضہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے ۔

”میں کہتا ہوں : ہمارے زمانے میں جہالت کی بنا پر اکثر ہوتا ہے اور ان کے جہل کا منشا جمعہ کے بعد چار رکعت نماز ظہر کی نیت سے پڑھنا ہے ۔ جمعے کی صحت میں شک کی بنیاد پر اس کو بعض متأخرین نے وضع کیا ہے ، اس روایت کو سبب بنا کر جس میں مذکور ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعے نہیں ہو سکتے ۔ یہ روایت قابل اختیار نہیں ہے اور نہ یہ قول (جمعے کے بعد چار رکعت نماز پڑھنا) بوجہ حنفیہ اور صاحبین سے مروی ہے ۔ ختم شد ۔“

پس مرد قبح سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت و محدث فی الدین کی بیخ کنی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے ۔

”عن عائشۃ قالت : قال النبی ﷺ : ((من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فھو رد)) متفق علیہ - (صحیح البخاری ، رقم الحدیث ۲۵۵۰ ، صحیح مسلم ، رقم الحدیث ۱۷۱۸)

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس نے ہمارے معاملے میں کوئی نئی چیز گھڑی جو ہماری شریعت میں نہیں ہے تو وہ قابل رد ہے ۔“

و عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ : ((أما بعد ! فإن خیر الحدیث کتاب اللہ ، وخیر الھدی ھدی محمد ، ومشر الامور محدثاتھا ، وكل بدئۃ ضلالتہ)) رواہ مسلم - (صحیح مسلم ، رقم الحدیث ۸۶۷)

”جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اما بعد ! یقیناً سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے بھارا راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے برے امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے ۔“

صد ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مجموعہ مقالات ، و فتاویٰ

صفحہ نمبر 424

محدث فتویٰ